شریعت کے احکام و محاسن

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی

شریعت اسلامی کے فہم و ادراک کے لیے اولاً تین بنیادی اصطلاحات سے واقفیت ناگزیر ہے۔ یہ تین اساسی اصطلاحات ہیں الدین، الشریعہ اور الفقہ۔[1]

الدین کا مفہوم

اللہ سبحانہ نے کائنات کی جملہ مخلوقات میں انسان کی تخلیق بالکل منفرد طریقے پر فرما کر اسے تمام خلائق میں ارفع اور ممتاز مقام عطا فرما دیا ہے۔ انسان کی احسن تقویم اس طرز پر ہوئی کہ خاک سے صورت گری کر کے اسے "نفخ فیہ من روحہ" کی خلعت پہنائی گئی۔ اسی وجہ سے انسان مکرم ہوا اور زمین میں منصب خلافت اور خالق کائنات کی نیابت کا اہل قرار پایا۔ عنصر خاکی اس لیے ضروری تھا کہ کار نیابت اور فرائض خلافت زمین میں سرانجام دینے تھے۔ " انی جاعل فی الارض خلیفۃ " اور چونکہ خلافت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جس نے خلیفہ بنایا ہے نائب اسی کی مرضی اور منشاء کی تکمیل کرے اور اس کے وجود کو روح خالق کی تجلی سے منور کر دیا گیا تاکہ حب خیر اور اللہ کی جانب رجوع اس کا طبعی جوہر اور اس کا فطری میلان بن جائے۔

انسانی وجود میں روحانی اثرات ہوائے نفس سے قوی تر ہیں۔ نفس کی خواہشات اور رغائب حیات فطرت سلیمہ پر حجاب ڈال دیتی ہیں۔ تقاضائے فطرت سلیمہ اللہ کی جانب انابت اور دین

---

[1] اس سے متعلقہ مباحث منہاج کی آئندہ کسی قریبی اشاعت میں آئیں گے۔ انشاء اللہ۔

حق کی طرف رجوع ہی ہے چنانچہ اس مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

"عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مولود الا یولد علی الفطرة فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کما تنتج البهیمة جمعاء هل تحسون فیها من جدعاء ثم یقول فطرة اللہ التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم"[1]

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور کا بچہ سلیم الاعضاء پیدا ہوتا ہے ناک کان کٹا ہوا نہیں ہوتا پھر (حضرت ابوہریرہؓ) یہ آیت تلاوت کرتے۔

اللہ کی فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی یہی بالکل راست اور درست دین ہے) (الروم : ۳۰ - ۳۰)

کمال رحمت اور اتمام حجت کے لیے اللہ سبحانہ انسان کی صلاح و فلاح کو اس کی سلیمہ اور اس کے نفس میں موجود امتیاز خیر و شر کی صلاحیت پر موقوف کرنے کی بجائے خلافت دنیایت کی انجام دہی کے لیے طریقہ کار کی وضاحت اور منہاج زندگی کے بیان کے لیے انسانوں ہی میں

---

[1] صحیح البخاری ۶/ ۲۰ (تفسیر سورة الروم) طبع ترکی ، ۲/ ۹۷ (اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ) ، ۲/ ۱۰۴ (ما قیل فی اولاد المشرکین)
صحیح مسلم ، ۴/ ۲۰۴۷ بعد (معنی کل مولود یولد علی الفطرة) بتحقیق فواد عبدالباقی بیروت
سنن ابی داود ، ۲/ ۲۷۵ (ذراری المشرکین) بیروت ۔
الجامع للترمذی ، ۴/ ۴۴۷ (کل مولود یولد علی الفطرة) بتحقیق ابراہیم عطوہ بیروت ۔
مسند احمد بن حنبل ، ۲/ ۲۷۵ ۔

ہادی اور راہنما بھیجنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اللہ کی جانب سے عطا کردہ منہاج زندگی ہی "الدین" ہے
حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور رسل کی تعلیمات
کے اصول و مبادی اور کلیات ہمیشہ ایک رہے ہیں۔

"اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ"، (نوح : ۷۱/۳)

(یہ کہ اللہ کی بندگی کرو اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اسی طرح تمام انبیائے کرام کی دعوت کا محور اللہ کی عبادت اور اس کی بندگی رہا ہے۔ (المائدہ، ۵ : ۷۲) الاعراف، ۷: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵، المؤمنون ۲۳ : ۲۳) اور اسی کو انہوں نے صراطِ مستقیم قرار دیا۔ (الزخرف ۴۳ : ۶۴)

ان تمام اصول و کلیات کا محور عبدیت اور بندگی ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ"۔ (الذاریات : ۵۶)

(اور میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں)۔

عبودیت و بندگی کا لازمی تقاضا تسلیم و رضا ہے اس لیے "الدین" بھی وہی ہے جو بندگی اور اطاعت اور تسلیم و رضا کا مکمل مظہر ہو۔

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"۔ (آل عمران ۳، ۱۹)

(اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

شریعت کے معنی

دین کے اصول و کلیات کی توحید کو ملحوظ رکھتے ہوئے حالات و زمانہ کی رعایت سے دیے گئے تفصیلی احکام شریعت کہلاتے ہیں۔ جیسے شریعت موسیٰ اور شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام راغب الاصفہانی دین اور شریعت کے فرق کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الدین وہ اصول و کلیات ہیں جو ہر ملت کے لیے ہیں اور ان میں کبھی کوئی رد و بدل نہیں ہوتا مثلاً اللہ کی معرفت اس کی ربوبیت اور اس کی توحید جبکہ شریعت ان اوامر و احکام کا نام ہے جو کسی ملت کو دیے گئے ہوں اور انہیں ان کی اتباع

کرنے اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

علامہ راغب، الاصفہانی مزید فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ ۵ : ۴۸)

(ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے)

کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شرعۃ سے مراد وہ احکام جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اور منہاج سے مقصود وہ تفصیلات ہیں جن کی توضیح سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نازل ہونے والی جملہ الٰہی شریعتوں کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

ایسی شریعتیں جن کی تعلیم کا محور صفائے نفس اور اخلاقی اصلاح رہا اور وہ کسی منضبط اور مفصل قانون کی حامل نہیں ہیں جیسے مسیحیت۔ ایسی شریعتیں جن میں منضبط اور مفصل قانون تو بیان ہوئے مگر وہ ایک مخصوص امت اور خاص حالات کے لیے ہیں جیسے موسوی شریعت

تیسری قسم شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کا قانونی نظام جامعیت اور موزونیت کی اساس پر قائم ہے اور اس میں تمام احوال و ظروف میں یکساں موثر ہونے اور ہر زمانے اور ہر دور میں قابل عمل ہونے کی لا انتہا صلاحیت موجود ہے۔ اس میں انسانی طبیعت اور اس کی ساخت کے لغیر متغیر پہلوؤں کے پیش نظر ناقابل تغیر احکام بھی موجود ہیں اور ایسے احکام بھی موجود ہیں جو روح عدل کو برقرار رکھتے ہوئے حالات و زمانہ کی تبدیلی کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں[۱]

اسلامی شریعت ایسے لازوال ابدی اصول و کلیات پر مشتمل ہے جو زمانے کے تغیر و تبدل سے کبھی کہنہ نہیں ہوتے اور انسانی سوسائٹی تمدنی ترقی کے کسی مرحلے پر ان اصولوں کی رفعت

---

[۱] مصطفیٰ احمد الزرقا الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ص ۶

اور ان کے ارتقاء سے آگے نہیں نکلتی۔ اصول و کلیات کے اس وسیع دائرے کے اندر رہتے ہوئے اسلامی شریعت نے انسانی عقل کو وسیع اختیار دیا کہ وہ نہ صرف وسیع تر دائرے میں رہتے ہوئے نو بہ نو حالات و معاملات کو عدل و احسان کی اساس پر استوار کرے۔

اسلامی شریعت کا عمومی نظم

دراصل اسلامی شریعت ان اعتقادی اور عملی احکام کے مجموعہ کا نام ہے جن کی تطبیق انسانی معاشرے کی اصلاح کے لیے اسلام کو مقصود ہے۔

اس سلسلے میں اسلام کے تین اساسی اصلاحی مقاصد ہیں جو باہم مرتب ہیں اور جن میں سے ہر ایک مقصد پہلے کا نتیجہ اور دوسرے کی اساس اور بنیاد ہے۔

۱ : اسلام نے عقیدہ اور ایک اللہ پر ایمان کے تصور کے ذریعہ عقل انسانی کو تقلید اور خرافات کی غلامی سے نجات دلائی ہے اور انسانی عقل کو حریت فکر، دلیل اور برہان کے تحت علمی سوچ عطا کی ہے اور اسی لیے اسلام نے ہر صورت بر موجود "وثنیت" کا مقابلہ کیا اور اس کا استیصال کیا کیونکہ "وثنیت" عقل کی فروتری اور بصیرت کی کم مائیگی کی دلیل ہے۔

۲ : فرد کی نفسیاتی اور اخلاقی اصلاح کی اور اسے خیر اور احسان کے کاموں کی جانب مائل کیا اور اسے اس کے فرائض پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کیا تاکہ اس کی خواہشات و میلانات اس کی عقل پر غالب نہ آنے پائیں اور اس کے فرائض میں رکاوٹ نہ بنیں۔ فرد اللہ کی عبادت کی پابندی کرے تاکہ اسے خالق و مالک، یاد رہے اور اس کے پیش نظر آخرت کے عذاب و ثواب کا تصور برقرار رہے تاکہ وہ اپنے اعمال پر نظر رکھے اور اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرے۔

۳ : انسان کی اجتماعی زندگی کی بایں طور اصلاح کی کہ امن عالم قائم ہو اور لوگوں کے درمیان عدل جاری ہو۔ معقول انسانی آزادیوں کا تحفظ ہو اور انسانی احترام کا لحاظ ہو۔

اس آخری اجتماعی ہدف کے بروئے کار لانے کے لیے اسلام نے مدنی نظام پر مشتمل ایک مکمل اور جامع قانونی نظام دیا ہے جس میں ریاست کے اجتماعی نظام کی تشکیل کے لیے ہر طرح

کی لازمی اساس کا حامل مواد موجود ہے اور جس میں افراد کے باہمی تعلقات فرد اور حکومت کے روابط اور مجتمع (سوسائٹی) کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا گیا ہے ۔

مندرجہ بالا تین مقاصد کی وضاحت سے شریعت اسلامیہ کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کی تین بنیادیں ہیں ، عقلی عقیدہ ، روحانی عبادت اور قانونی عدالتی نظام اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام دین اور ریاست دونوں کو جامع ہے تو اس کا یہی مفہوم ہوتا ہے [1]

اسلامی شریعت اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین

اسلامی شریعت جس وقت نازل ہوئی اسی وقت مکمل اور جامع تھی ۔ اللہ سبحانہ نے خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی تئیس سال کی مدت میں شریعت اسلامیہ کو نازل فرمایا اور اس کے اکمال و اتمام کا اعلان فرما دیا ۔

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا "

(آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے)

اسلامی شریعت کسی مخصوص وقت کسی متعین قوم یا کسی عرصے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ شریعت ہر وقت ہر زمانے اور ہر دور کے لیے ہے اور اس وقت تک ہے جب تک یہ دنیا قائم ہے اور انسان موجود ہے ۔

شریعت اسلامیہ کو اللہ سبحانہ نے اس طرح بنایا ہے کہ اس پر زمانے کے تغیرات کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ اس پر کہنگی اور قدامت کے آثار طاری نہیں ہوتے اور اس کے تمام اصولوں اور اساسی نظریات میں تبدیلی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی شریعت اسلامیہ کی دفعات میں اس قدر

---

[1] الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ف ۷

عمومیت اور لچک موجود ہے کہ وہ ہر ممکنہ حالت میں نافذ ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس طرح تغیر و تبدل کی ضرورت پیش نہیں آتی جس طرح رواجی قوانین کی دفعات میں ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

شریعت اور قانون کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ شریعت اللہ سبحانہ کی نازل کردہ ہے اور "لاتبدیل لکلمات اللہ" (یونس: ۶۴) (اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں)۔

اللہ سبحانہٗ عالم الغیب ہے انہیں بلاشبہ یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ انسانوں کے لیے ایسی دفعات مقرر کریں جو ہر دور کے لائق اور مناسب ہوں۔ اس کے برعکس انسان کے ایجاد کردہ قوانین صرف وقتی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں اور چونکہ انسان غیب سے ناواقف ہے اس لیے اس کے بنائے ہوئے قانون غیر متوقع حالات پر حاوی ہونے سے قاصر رہتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ اور قانون کے درمیان اساسی اختلافات

شریعت اسلامیہ قانون سے تین بنیادی جہتوں میں مختلف ہے۔

پہلی جہت قانون انسانوں کی ایجاد ہے جب کہ شریعت اللہ سبحانہ کی نازل کردہ ہے۔ قانون اور شریعت دونوں ہی میں اپنے خالق کی صفات نمایاں ہیں چونکہ قانون انسان کی ساخت ہے اس لیے اس میں انسانی نقص، عجز اور قلت فہم موجود ہے۔ اسی لیے قانون ہمہ وقت ترمیم اور تبدیلی سے دوچار رہتا ہے جب کہ سوسائٹی کے ارتقاء سے نئے حالات سامنے آجاتے ہیں تو ان پیش آمدہ حالات و واقعات کے لیے از سر نو قانون سازی یا سابقہ قوانین میں ردو بدل کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ انسانی علم بہت ناقص ہے وہ کچھ امور حال کے جانتا ہے اور کسی قدر ماضی کے تجربات پیش نظر رکھ سکتا ہے جبکہ اسے مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا قطعاً علم نہیں ہے اس لیے انسان کا بنایا ہوا قانون خواہ کتنے ہی محاسن کا حامل ہو وہ اسی دور اور انہی حالات کے لیے مفید ہوتا ہے جن میں اس کی تشکیل عمل میں آتی ہے۔

شریعت کا خالق خود اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اس میں خالق کائنات کی قدرت، کمال اور عظمت کی جھلک اور اس کے ماضی اور مستقبل کے تمام ممکنات پر محیط علم کی روشنی موجود ہے۔ ذات

وعلیم وخبیر نے شریعت کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ حال اور مستقبل کے تمام مسائل و معاملات کا احاطہ کرگئی ہے اور اللہ سبحانہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس شریعت میں کوئی ترمیم اور تبدیلی ممکن نہیں ہے کیونکہ اس میں زمانے کے تغیر اوطان کی تبدیلی اور انسان کی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی حالتوں کی وجہ سے کسی ترمیم اور تبدیلی کی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آتی ۔

"لاتبدیل لکلمات اللہ" (یونس : ۶۴)

(اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں)

دوسری جہت

قانون سوسائٹی کے مسائل کی تنظیم پر مشتمل قواعد کا مجموعہ ہوتا ہے یہ قواعد معاشرے کی راہنمائی کے فرائض انجام نہیں دیتے بلکہ خود سوسائٹی کے تابع ہوتے ہیں اور جیسے ہی معاشرتی حالات میں تبدیلی آتی اور سوسائٹی کے معیارات تبدیل ہوتے ہیں قانون میں رد و بدل ناگزیر ہو جاتا ہے ۔ بعض اوقات قانون سوسائٹی کے ارتقاء سے پیچھے رہ جاتا ہے کہ جس تیزی سے معاشرتی تبدیلی آتی ہے اس سبک رفتاری سے قوانین میں تبدیلی کا عمل مکمل نہیں ہوتا ۔

مگر شریعت اسلامیہ ایسے قواعد کا مجموعہ ہے جنہیں اللہ سبحانہ نے ہمیشہ کے لیے سوسائٹی کے معاملات کی تنظیم کے لیے مقرر فرمایا ہے ۔ اس حیثیت سے تو شریعت قانون سے ہم آہنگ ہے کہ دونوں ہی سوسائٹی کے معاملات کی تنظیم کرتے ہیں مگر شریعت اس حیثیت میں قانون سے مختلف ہے کہ شرعی قواعد دائمی اور ناقابل تغیر ہیں اور یہ وہ امتیازی خصوصیت ہے جو شریعت اسلامیہ کے سوا کسی اور قانون میں موجود نہیں ہے مگر اس خصوصیت کے منطقی لحاظ سے دو تقاضے ہیں ۔

اوّل : شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اس کی دفعات میں اس قدر عمومیت اور اس قدر لچک ہونی چاہیے کہ یہ قواعد اور دفعات ہر آنے والے دور میں جماعتی ارتقاء کی ہر صورت نو بہ نو بدلتے ہوئے حالات میں اور تمام متنوع ضروریات میں سوسائٹی کے تمام پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کریں ۔

دوم ۔ شریعت اسلامیہ کے قواعد اور دفعات میں پہلے ہی سے اس قدر رفعت اور ارتقاء

ہونا چاہیے کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی دور میں وہ سوسائٹی کے معیار سے فروتر نہ رہیں۔
فی الواقع یہ دونوں محاسن اسلامی شریعت میں بدرجہ کمال موجود ہیں بلکہ یہی وہ محاسن ہیں جن کی بنا پر شریعت اسلامیہ کو تمام آسمانی شریعتوں اور تمام دنیاوی قوانین پر فوقیت حاصل ہے۔ بلاشبہ شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اس کی دفعات میں انتہائی حد تک عمومیت اور لچک پائی جاتی ہے اور اسی طرح ان قواعد اور دفعات میں اس قدر ترفع اور ارتقاء بھی پایا جاتا ہے کہ عقل انسانی اس سے زیادہ رفعت اور ارتقاء کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی۔

شریعت اسلامیہ پر تیرہ صدیوں سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اس طویل عرصہ میں انسانی معاشروں کے سماجی حالات متعدد مرتبہ تبدیل ہو چکے ہیں۔ افکار و خیالات میں زبردست تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اور ایسے نئے نئے علوم اور نت نئی ایجادات وجود میں آچکی ہیں جن کے بارے میں کبھی انسان نے سوچا بھی نہیں تھا اس عرصہ میں نئے حالات سے ہم آہنگ اور جدید ماحول سے تطابق پیدا کرنے کے لیے قانون میں مسلسل ترامیم کی جاتی رہی ہیں۔ حال یہ ہے کہ ان ترمیمات اور تغیرات کے کثرت کی بناء پر آج کے جدید قانون میں اور اس قانون میں جو شریعت اسلامیہ کے نزول کے وقت موجود تھا، کوئی برائے نام بھی مناسبت باقی نہیں رہی ہے۔ مروج قانون کی اس ہمہ گیر تبدیلی اور تغیر کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ شریعت اسلامیہ ناقابل تغیر ہے۔ اسلامی شریعت کے قواعد اور ضوابط انسانی معاشروں کے معیارات سے کہیں بلند ہیں اور انسانی مسائل کے حل میں جدید قوانین سے کہیں زیادہ مفید۔ انسانی طبیعتوں سے زیادہ قریب تر اور انسانی امن و سکون کے زیادہ ضامن ہیں[1]

تیسری جہت سوسائٹی قانون بناتی اور اسے اپنی عادات، روایات اور تاریخ کے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ گویا قانون سوسائٹی کے معاملات کی تنظیم کے لیے ہوتا ہے سوسائٹی کی راہنمائی کے لیے نہیں ہوتا۔ اس لیے قانون سوسائٹی کے ارتقاء سے ہے، سوسائٹی قانون کی ساخت نہیں ہے۔

---

[1] ساجد الرحمٰن صدیقی اسلام کا فوجداری قانون۔ (التشریع الجنائی (حصہ اول)

آغاز ہی سے قانون اسی نہج پر قائم تھا مگر موجودہ صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ بنیاد تبدیل ہونا شروع ہوئی اور جدید نظام ہائے زندگی کی داعی قومی ریاستوں نے قانون سے معاشرے کی راہنمائی کا کام لینا شروع کیا۔ چنانچہ اشتراکی روس فاشی اٹلی اور نازی جرمنی نے قانون کو قومی اور سماجی راہنمائی کا عنصر عطا کیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ آج کل قانون کا مقصد جماعتی امور کی تنظیم بھی ہے اور جماعت کو ایسی راہنمائی بھی عطا کرنا ہے جس کے بارے میں ارباب حکومت یہ سمجھیں کہ یہ جماعت کے مفاد میں ہے۔

اسلامی شریعت کا اولین مقصود ہی معاشرے کی راہنمائی اور ہدایت ہے۔ اسلامی شریعت نہ صرف یہ کہ سوسائٹی کے معاملات کو منظم کرتی ہے بلکہ اللہ سبحانہ کی نازل کردہ ہے۔ اگر شریعت اللہ سبحانہ کی نازل کردہ نہ ہوتی تو اس میں کمال رفعت اور ہمیشگی کی صفات نہ پائی جاتیں، کیونکہ یہ صفات صرف خالق کائنات کی تخلیق میں ہوتی ہیں اور انسانی صف ہمیشہ ان صفات سے عاری ہوتی ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات اور فرامین نبوت نقل کئے جائیں، جن سے معلوم ہو کہ اسلامی شریعت میں کس قدر توسع پایا جاتا ہے اور قرآن و سنت کی نصوص کس قدر کمال اور رفعت کی حامل ہیں اور یہی رفعت و کمال ان کے دوام کی بھی دلیل ہے۔

الف - قرآن کریم کی آیات

"ولا تزر وازرۃ وزر اخری" (الاسراء: ۱۷/۱۵)

(اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)

"وان لیس للانسان الا ما سعی" (النجم: ۵۳/۳۹)

(اور یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے)

"وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (البقرہ: ۱۸۸)

(اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے رشوت کے طور پر حاکموں تک

پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا حصّہ ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُمْ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۔ (البقرہ : ۲/ ۲۸۲)

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو۔

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ۔ (النساء : ۴/ ۵۸)

خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۔ (الاسراء : ۱۷/ ۳۴)

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریقے سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرستش ہوگی۔

وجزاء سيئة سيئة مثلها ۔ (الشوری : ۴۲/ ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اس کے مثل برائی ہے۔

وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۔ (الطلاق ۶۵/۲)

اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو اور خدا ہی کے لیے درست گواہی دو۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (البقرہ : ۲/ ۲۸۳)

اور شہادت کو نہ چھپاؤ جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۔ (البقرة : ۲/ ۲۸۰)

اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو اسے کشائش حاصل ہونے تک مہلت دو۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۔ (البقرہ: ۲/ ۱۸۵)

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔ (الحج: ۲۲/۷۸)

اور تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۔ (البقرة: ۲/۱۷۳)

ہاں جو ناچار ہو جائے بشرطیکہ خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد ضرورت سے آگے نہ نکل جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

علاوہ بریں اور بھی متعدد آیات ہیں جو مختلف مقاصد اور موضوعات سے متعلق ہیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

لاضرر ولاضرار[1]

نہ از خود نقصان پہنچانا روا ہے اور نہ بدلے میں نقصان پہنچانا جائز ہے۔

محاسنِ شریعت غرض اسلامی شریعت دنیا کے دیگر قوانین پر اپنے تین اختیارات کی بنا پر تفوق رکھتی ہے کمال، رفعت اور دوام۔

شریعت اسلامیہ اپنے کمال کی بنا پر تمام قوانین پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ ایک مکمل قانون میں جس قدر قواعد اصول اور نظریات کی ضرورت ہوگی ہے وہ سب شریعت میں موجود ہیں اور شریعت کا دامن ان تمام اصول و نظریات سے بھرا ہوا ہے جو مستقبل قریب یا بعید میں انسانیت کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کار آمد ہو سکتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اصول ہمیشہ سوسائٹی کے معیارات سے بلند تر رہتے ہیں اور خواہ انسانی زندگی کا معیار کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو جائے، شریعت اسلامیہ میں ایسے اصول و

---

[1] الموطا ۲/۷۴۵ بیروت

مسند احمد بن حنبلؒ ۵/۳۲۷۔

نظریات موجود ہیں جو اس کی رفعت کو ہمیشہ محفوظ رکھیں گے اور ہمیشہ ان کا میعار انسانی معیارات سے بلند تر رہے گا۔

شریعت اسلامیہ ثابت اور مستقل ہے اور اس میں ہمیشگی کی صفت موجود ہے خواہ کتنا ہی طویل دور کیوں نہ گزر جائے اس کی دفعات میں کوئی تغیر نہیں آتا مگر اس عدم تغیر کے باوجود شریعت ہر دور کے لائق اور ہر زمانے کے مناسب رہتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کی مندرجہ بالا اساسی اور جوہری خصوصیات اپنے تعدد اور اپنے تنوع کے باوجود ایک ہی اصل سے مستفاد ہیں اور وہ اصل یہ ہے کہ شریعت

انما الاعمال بالنیات [۱]

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

علی الید ما اخذت حتی تؤدیہ [۲]

جس شخص نے جو چیز لی ہے وہ اس کے ذمہ ہے جب تک وہ اس کو ادا نہ کرے۔

ان اللہ تعالیٰ وضع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ [۳]

---

[۱] الصحیح البخاری ۱/۲ (بدء الوحی) ۳/۱۱۹ (الخطاء والنسیان فی العتاقۃ والطلاق)
مسند الامام احمد بن حنبلؒ ۱/۲۵
سنن الدارقطنی ۱/۵۱
سنن ابی داؤد ۱/۳۴۴ (فیما عنی بہ الطلاق والنیات) بیروت
صحیح مسلم ۳/۱۵۱۵ (انما الاعمال بالنیۃ)
مسند الحمیدی ۱/۱۶ طبع المدینۃ المنورہ

[۲] الجامع الترمذی ۳/۵۵۷ (ماجاء ان العاریۃ مؤداۃ)
سنن ابن ماجہ ۲/۱۷۴ (ابواب الصدقات)
مسند الامام احمد بن حنبل ۵/۸

[۳] سنن ابن ماجہ ۲/۱۴۸ (طلاق المکرہ والناسی)

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول اور جس بات پر کسی کو مجبور کیا گیا ہو اسکی ذمہ داری اٹھالی ہے۔

العارية مؤداة والزعيم غارم[1]

عاریت ادا کی جانی چاہیے اور جس نے ذمہ داری قبول کی وہ اس کا تاوان ادا کرے گا۔

الولد للفراش[2]

بچہ صاحب فراش کا ہے۔

لا وصية لوارث[3]

وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے۔

المسلمون على شروطهم[4]

مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔

كل شرط ليس في كتاب الله تعالیٰ فهو باطل[5]

---

[1] الجامع للترمذی ۳/۵۵۶ (ماجاء ان العارية مؤداة)

[2] سنن ابی داؤد ۱/۳۵۶ (الولد للفراش)
صحیح مسلم ۲/۱۰۸۰ (ماجاء ان الولد للفراش)۔ مسند الامام احمد بن حنبلؒ ۴/۱۸۷
الصحیح البخاری ۸/۱۱۶ (من قضی له بحق اخیه

[3] سنن ابن ماجه ۲/۱۹۸ (لا وصية لوارث) طبع کراتشی۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۴/۱۸۷
الجامع للترمذی ۴/۴۳۳ (ماجاء لا وصية لوارث)

[4] سنن ابی داؤد ۲/۱۱۶ (الصلح)۔ الصحیح للبخاری ص ۳

[5] مسند الامام احمد بن حنبل ۶/۲۱۳۔ سنن ابن ماجه ۲/۱۸۴ (باب المكاتب)
الموطا الامام مالک ۲/۷۸۰ (مصير الولاء اعتق)
بتحقيق فواد عبدالباقی طبع بیروت
الصحیح للبخاری ۳/۲۷ (البيع والشراء مع النساء) طبع ترکیا۔

(جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے)

الشفعة کحل العقال [1]

(شفعہ ایسا ہے جیسے رسی کھول دینا)۔

لاطلاق فی اغلاق [2]

(جبری طلاق واقع نہیں ہوتی)

اسلامی شریعت کی خصوصیات

اسلامی شریعت متعدد ایسی خصوصیات کی حامل ہے جو کسی اور الٰہی شریعت اور دنیاوی قانون میں نہیں پائی جاتیں۔ اس مقام پر بطور مثال بعض خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ کی حاکمیت

اسلامی شریعت کی نمایاں ترین خصوصیات یہ اصول ہے کہ حاکم حقیقی اللہ تعالےٰ ہے اور اقتدار اعلیٰ اللہ سبحانہ کو حاصل ہے چنانچہ قرآن کی متعدد آیات سے اس کی توضیح ہوتی ہے مثلاً

ان الحکم الا للّٰہ امران لا تعبدوا الا ایاہ ۔ (یوسف : ۴۰)

اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

ومن احسن من اللّٰہ حکما لقوم یوقنون ۔ (المائدہ : ۵۰)

اور اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔

اللہ سبحانہ کی حاکمیت اعلیٰ کے تصوّر اور اسلامی شریعت کے ارتباط سے اسلامی قانون مسلمانوں کی زندگی میں بے جان قانون نہیں رہتا بلکہ زندہ اور موثر اثرات کا حامل ضابطہ حیات بن جاتا ہے

---

[1] سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۸۲ (ابواب الشفعہ)

[2] سنن ابی داؤد ۱/ ۳۴۲ (الطلاق فی الغلط)

مسند الامام احمد بن حنبل ۲/ ۲۱۳ ۔

[3] سنن ابن ماجہ ۱۴۸۲ (طلاق المکرہ والناسی)

توحید الٰہی کا عقیدہ مسلمانوں کو اللہ کے سوا ہر شئے اور ہر فرسودہ تصور کی بندگی سے نجات دلا دیتا ہے۔ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور ہر شخص کو احکام الٰہی کا پابند بنا دیتا ہے اور کوئی شخص خواہ وہ حکمران ہی کیوں نہ ہو قانون سے بالاتر نہیں رہتا بلکہ اس کی اطاعت بھی اسی شرط کیساتھ ہوتی ہے کہ وہ فرائض حکمرانی اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق انجام دے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا:

اطیعونی ما اطعت اللہ و رسولہ فان عصیتہ فلا طاعۃ لی علیکم

جب تک میں اللہ اور رسول کا مطیع رہوں تم بھی میری اطاعت کرتے رہو لیکن اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں ہے۔

شخصی مسئولیت

اللہ سبحانہ نے انسان کو ایک ذمہ دار اخلاق وجود اور ایک محترم ہستی کی حیثیت میں تخلیق فرمایا اور اسے منصب خلافت پر مامور فرما کر زندگی کے تمام معاملات میں احکام الٰہی پر عمل کرنے کا مکلف قرار دے کر اس کو شخصی حیثیت میں جوابدہ قرار دیا ہے۔

ان لا تزر وازرۃ وزر اخری وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى۔

(انسان نوامیس قدرت اور قانون فطرت کی حد تک تو اللہ کا مطیع و فرماں بردار ہے۔ مقصود شریعت یہ ہے کہ اختیار کے دائرے میں بھی اللہ کا مطیع فرماں بردار (مسلم) بن جائے۔ علامہ شاطبی نے کس قدر عمدہ بات کی ہے۔

ان مقصد الشریعۃ اخراج المکلف من داعیۃ ہواہ لیکون عبد اللہ اختیاراً کما ہو عبد اللہ اضطراراً۔

مقصود شریعت یہ ہے کہ مکلف کو اس کی خواہش کی گرفت سے نکال کر اختیاری طور پر بھی اسی طرح اللہ کا بندہ بنا دیا جائے جس طرح وہ اضطراری امور میں احکام الٰہی کا پابند ہے۔

عقل و حکمت

اسلامی شریعت حکمت و مصلحت پر قائم اور عقل پر استوار ہے اس کے جملہ احکام انسانی مصالح پر مشتمل مبنی بر حکمت اور معقول ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ کے وجود

پر اعتقاد کے لیے بھی عقل ہی کو متنبہ کر دیا گیا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (آل عمران: ۳ : ۱۹۰)

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات و دن کی گردش میں ارباب دانش کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

فقہ اسلامی میں اجتہاد و قیاس کو جس قدر اہمیت حاصل ہے وہ بھی اسلامی شریعت کے کلیتاً عقل و حکمت سے ہم آہنگ ہونے کی دلیل ہے۔

مساوات اسلامی شریعت انسانی تعلقات و روابط اللہ کی عبودیت کی اساس پر استوار کرتی ہے۔ اللہ کی خلافت اور نیابت میں تمام انسان مساوی ہیں اور ان میں رنگ و نسل قومیت اور وطن کا فرق نہیں ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی تفوق حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی قوم، گروہ یا جماعت کو کوئی امتیاز حاصل ہے بلکہ اللہ کی نیابت اور اس کے احکام کے مکلف ہونے میں تمام انسان مساوی ہیں اور اسی اعتبار سے تمام انسان جوابدہی اور مسئولیت میں مساوی ہیں۔

اخلاقیت اسلامی شریعت انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اسلامی شریعت انسانوں کے باہمی تعلقات پر اکتفا نہیں کرتی اور انسان کے اپنے رب سے تعلق ہی کو بیان نہیں کرتی بلکہ انسانوں کے مابین تعلقات و روابط کی تنظیم کو انسان کے اپنے ربّ سے تعلق کی اساس پر استوار کرتی ہے۔ اس لائحہ عمل سے ایسی سوسائٹی وجود میں آتی ہے جس کے تمام افراد مسلم اور اللہ کے فرماں بردار ہوتے ہیں اور یہی اسلام معاشرتی سلامتی کا ضامن بن جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے کے افراد اپنی اخلاقی قوت کے زیر اثر جرائم سے اجتناب کرتے اور انسانوں کے حقوق از خود ادا کرتے ہیں۔ یہاں ہر شخص اپنے فرائض ادا کرتا ہے جس سے تبعاً دوسرں کے حقوق کی ادائیگی ہو جاتی ہے اور تنازع للبقاء کی جگہ ایثار تعاون اور ہمدردی لے لیتی ہے [1]

---

[1] الدکتور جمال الدین عطیہ النظرۃ العامہ للشریعۃ الاسلامیۃ ص ۱۱، ۱۸

عمومیت اسلامی شریعت کے احکام کا تخاطب تمام انسانوں سے ہے اس لیے احکام شریعت کلی اور عمومی ہوتے ہیں۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ

شریعت کے جملہ احکام مبنی بر مصالح ہوتے ہیں اور کلی اور عمومی ہوتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ کسی حکم شرعی میں کوئی فرد یا گروہ داخل نہ ہو یا کوئی مکلف سرے سے کسی حکم کا مکلف ہی نہ ہو۔ چنانچہ اگر سفر میں نماز کے قصر کا حکم ہے تو اس حکم کی اساس رفع مشقت ہے لیکن پھر بھی حکم مشقت پر دائر نہیں ہے بلکہ خواہ مشقت ہو یا نہ ہو سفر نماز میں قصر کا سبب متصور ہوگا۔ اسی طرح قرض لینے کی اجازت اس مصلحت پر مبنی ہے کہ ضرورت مند شخص اس طرح اپنی ضرورت پوری کر سکے لیکن قرض لینے کی اجازت کو ضرورت مند ہونے پر مبنی نہیں کیا بلکہ عام رکھا کہ ایسا دولتمند شخص جسے کوئی ضرورت نہ ہو وہ بھی قرض لے سکتا ہے[۱]

تصوّرِ ملکیت انسان کی سماجی زندگی کا بہت وسیع دائرہ مالی تصرفات پر مشتمل ہے۔ اسلامی شریعت نے ملکیت کے بارے میں نیابت کا تصوّر دیا ہے کہ ہر شئے کا مالک حقیقی اللہ ہے۔

قل لمن الارض ومن فیها ان کنتم تعلمون سیقولون للہ۔

آپ کے لیے زمین میں اور جو کچھ زمین میں ہے کس کا ہے اگر تم جانتے ہو وہ پکار اٹھیں گے کہ اللہ کا ہے۔

احکامِ شریعت احکام حکم کی جمع ہے۔ الشوکانی نے حکم کی تعریف یہ کی ہے۔

الحکم هو الخطاب المتعلق بافعال المکلفین بالاقتضاء او التخییر او الوضع[۲]

مکلفین کے افعال سے متعلق ایسا خطاب جو اقتضاء، یا تخییر یا وضع پر مشتمل ہو حکم کہلاتا ہے۔

امام غزالی کہتے ہیں:

---

[۱] الشاطبی الموافقات ۲/۵۲-۵۴، ۲۴۴

[۲] محمد بن علی الشوکانی ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔

الحکم عبارۃ عن خطاب الشرع بافعال المکلفین [1]

مکلفین کے افعال سے متعلق شریعت کا خطاب حکم ہے۔

ابن الحاجب فرماتے ہیں:

الحکم ھو خطاب الشارع المتعلق بافعال المکلفین بالاقتضاء او التخییر او الوضع [2]

بطور اقتضاء یا تخییر یا وضع مکلفین کے افعال سے متعلق شارع کا خطاب حکم ہے۔

شارع اللہ سبحانہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شارع ہیں اللہ سبحانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکلفین کے افعال کے بارے میں یہ وصف بیان کرنا کہ یہ فعل حرام ہے یا مکروہ ہے یا مطلوب ہے یا مباح ہے یا صحیح ہے یا باطل ہے شرط ہے یا سبب ہے یا اسی طرح کے دیگر اوصاف کا بیان اس فعل یا عمل کا حکم ہے۔

شارع کا کسی فعل کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس فعل کے بارے میں شارع کی جانب سے کہا گیا ہے کہ اسے چھوڑ دو اور اس کا ارتکاب نہ کرو، واجب کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ اسے کرو اور نہ چھوڑو اور مباح کا مفہوم یہ کہ اگر تم چاہو تو کرو اور چاہو تو چھوڑ دو [3]

اقتضاء کے معنی طلب اور مطالبہ کے ہیں خواہ مطالبہ کرنے کا ہو یا نہ کرنے کا کسی فعل کے نہ کرنے کا مطالبہ ہے یا نہ کرنے کو لازم قرار دے دیا گیا ہے تو ایسے فعل کو حرام کہا جائے گا اور اگر لازمی طور پر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے تو واجب کہلائے گا اور اگر شارع نے مکلف کو کسی کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا ہو تو اسے مباح کہا جاتا ہے۔

وضع کا مفہوم یہ ہے کہ شارع نے مکلفین سے متعلق دو امور کے اندر ارتباط پیدا کر دیا ہو جیسے وراثت میں اور ایک شخص کے وفات پانے میں ارتباط ہے کہ ورثاء کا حق میراث ترکہ

---

[1] الغزالی المستصفی ص ۵۵ بیروت

[2] الشیخ محب اللہ فواتح الرحموت ص ۵۴ — علی حامش المستصفی

[3] المستصفی ص ۵۵۔

سے اسی وقت متعلق ہوتا ہے جب مورث کا انتقال ہو جائے۔ بالفاظ دیگر وارث کی دفات ورثاء کے ترکہ میں استحقاق پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ یا شریعت نے ایک امر کو دوسرے امر کے متحقق ہونے کی شرط بنا دیا ہو جیسے انعقاد نکاح کے لیے گواہوں کی موجودگی شرط ہے۔

حکم شرعی میں اگر اقتضاء یا تخییر پایا جاتا ہو تو اسے حکم تکلیفی کہتے ہیں اور اگر حکم شریعت کی نوعیت دو امور میں ارتباط کی ہو تو اسے حکم وضعی کہا جاتا ہے۔

حکم کی اقسام

اس اعتبار سے حکم کی دو قسمیں ہیں حکم تکلیفی اور حکم وضعی۔

حکم تکلیفی وہ ہے جس میں شریعت کی جانب سے یا تو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو یا کرنے یا نہ کرنے میں اختیار دیا گیا ہو جیسے نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے اور جیسے مال یتیم کھانے کی ممانعت ہے اور اختیار کی مثال جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها [1]

میں نے تمہیں پہلے زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم زیارت کر سکتے ہو۔

حکم وضعی وہ ہے جس کے ذریعے شارع نے دو امور کے درمیان اس طرح ارتباط پیدا کر دیا ہو کہ ان میں سے ایک یا سبب بن جائے یا شرط بن جائے یا مانع بن جائے۔ دو امور میں سے ایک دوسرے کا سبب قرار دینے کی مثال رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ (البقرہ: ۱۸۵)

لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد (الجنائز) ج ۲ ص ۷۲

مسند الامام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۵

صوموا الرؤیتہ وافطروا لرویتہ [1]

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو ۔

مورث کی وفات اور وارث کا زندہ ہونا میراث کی شرط ہے اسی طرح گواہوں کی موجودگی نکاح کی شرط ہے جبکہ قتل اور ارتداد مانع کی مثال ہیں کہ یہ دونوں امور میراث میں حصّہ پانے سے مانع ہیں یعنی قاتل مقتول کی میراث میں سے حصّہ نہیں پا سکتا اسی طرح مسلم اور غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا ۔ چنانچہ فرمان رسول اللہ ؐ ہے کہ :

القاتل لا یرث [2]

قاتل (مقتول کی) میراث کا وارث نہیں ہے ۔

نیز فرمان نبوت ہے کہ :

لا یتوارث اھل ملتین شیئ

دو ملتوں کے افراد باہم کسی شئے کے وارث نہیں ہوتے [3]

دراصل شریعت کی جانب سے کسی امر کا اقتضاء یا مطالبہ وجود اور عدم دونوں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا مطالبہ یا کسی کام کے نہ کرنے کا مطالبہ دونوں طرح ہوتا ہے پھر یہ تقاضا یا تو لازمی طور ہوتا ہے یا اس میں ترک کی بھی گنجائش ہوتی ہے اگر لازمی تقاضا کرنے کا ہے تو وہ واجب ہے اور اگر لازمی تقاضا نہ کرنے کا ہے تو حرام ہے اور اگر کرنے کا حکم لازمی نہیں ہے تو مندوب ہے اور اگر نہ کرنے کا حکم لازمی نہیں ہے تو مکروہ ہے اور اگر اختیار دیا گیا ہے تو مباح ہے اسطرح

---

[1] مسند الامام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۲۱ ۔

[2] الجامع للترمذی (الفرائض باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل ۴ / ۴۲۵

سنن ابن ماجہ (الدیات باب القاتل لا یرث) ۲ / ۸۸۳

سنن الدارمی (الفرائض میراث القاتل) ۲ / ۲۷۷

مسند الامام احمد بن حنبل ۱ / ۴۹

[3] سنن ابی داؤد (الفرائض) ۲ / ۱۹ ۔ ابوہریرہ اصول الفقہ ص ۲۱ ، ۲۲

تکلیفی احکام کی پانچ اقسام ہوگئیں۔

۱: واجب (فرض)۔ ۲: حرام۔ ۳: مکروہ۔ ۴: مندوب (مستحب)

۵: مباح۔

اور وضعی احکام کی تین قسمیں ہیں۔

۱: سبب۔ ۲: شرط۔ ۳: مانع۔[۱]

مذکور بالا قسموں میں امام شاطبی نے وضعی احکام کی بھی پانچ اقسام کی ہیں اور صحت و بطلان اور عزیمت و رخصت، دو کا اضافہ کیا ہے[۲] حنفی فقہاء کے نزدیک حکم تکلیفی کی سات اقسام ہیں۔ فرض، واجب، مندوب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور مباح[۳]

واجب

واجب وہ حکم ہے جس میں شریعت نے کسی کام کرنے کا حتمی اور لازمی حکم دیا ہو اور جس کے ترک پر سزا کا احساس دلایا گیا ہو اور اس کے ترک کی سزا بیان کی گئی ہو[۴]

جیسا کہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں روزوں کی فرضیت بیان کی گئی ہے۔

كتب عليكم الصيام۔

اور تم پر روزے فرض کیے گئے۔

اور جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم آیا ہے۔

واقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة۔

اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

حنفی فقہاء کے نزدیک فرض وہ ہے جو شریعت کی دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ

۱۔ ارشاد الفحول ص ۶

۲۔ الشاطبی الموافقات ۱/۱۸۷۔ الآمدی الاحکام فی اصول الاحکام ۱/۱۳۷

۳۔ ابوزہرۃ اصول الفقہ ۲۲

۴۔ الآمدی الاحکام فی اصول الاحکام ۱/۱۳۸

۵۔ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام ۱/۱۴۰

ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔[1] مطلوب کے تعین اور عدم تعین کے اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں ۔

۱۔ واجب معین (فرض عین) جو مکلف شخص پر لازم ہو افراد کے درمیان اس کے لازمی اور حتمی ہونے میں فرق نہ ہو اس فرض سے مکلف شخص اسی وقت بری الذمہ ہو سکتا ہے جو اس کو اسی طرح ادا کرے جس طرح کہ وہ لازم قرار دیا گیا ہے ۔ اس واجب کی مثال نماز، روزہ اور حج وغیرہ ہیں ۔

۲۔ واجب مخیر مکلف شخص کو متعدد امور میں اختیار دیا گیا ہو جیسا کہ کفارہ یمین کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۔

اس آیت میں قسم کھا کر توڑ دینے والے کے لیے کفارہ کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں اور اختیار دیا گیا ہے کہ ان تینوں میں سے کسی کسی شکل میں کفارہ ادا کر سکتا ہے ۔

تقدیر اور عدم تقدیر کے اعتبار سے بھی واجب کی دو قسمیں ہیں ۔

واجب محدود ایسا شرعی حکم ہے جس میں شریعت نے کسی عمل کی ایک متعین مقدار لازم کر دی ہو اور اس مقدار کی ادائیگی کے بغیر مکلف بری الذمہ نہ ہو جیسے پانچ نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ ۔

واجب غیر محدود ایسا عمل ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہو مگر اس کی مقدار متعین نہ کی ہو جیسے انفاق فی سبیل اللہ، نیکی کے کاموں میں تعاون اور بھوکے کو کھانا کھلانا ۔

واجب عینی واجب عینی یا فرض ایسا حکم ہے جو تمام مکلفین پر لازم ہو اور کسی کے ادا کرنے سے دوسرے کی جانب سے ادا نہ ہوتا ہو جیسے نماز ۔

واجب کفائی واجب کفائی یا فرض کفایہ ایسا حکم شرعی کہلاتا ہے جس کے مخاطب تمام مکلفین قرار دیئے گئے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے یا چند کے انجام دے

---

[1] الآمدی الاحکام فی اصول الاحکام ۱ / ۱۴۰ ۔

لینے سے باقی سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے غسل میت اور نماز جنازہ اور اسی طرح وہ تمام امور خیر جن کا مقصود اجتماعی فلاح ہو۔

واجب مؤقت وہ ہے جس کی ادائیگی کے لیے شارع نے محدود وقت مقرر کر دیا ہو جیسے نماز روزہ۔[1]

واجب مطلق وہ ہے جس کی ادائیگی کے لیے شارع نے کوئی وقت مقرر نہ کیا ہو جیسے کفارہ۔

مستحب مندوب مستحب یا مندوب وہ فعل ہے جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہو مگر اس کو لازم نہ قرار دیا ہو مگر حکم شریعت پر عمل کا پہلو قابل ترجیح ہو۔

مستحب کی تین قسمیں ہیں۔

ایسے اعمال اور واجبات و فرائض کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب بنتے ہوں جیسے نماز کے لیے اذان اور جماعت مستحب کی اس قسم میں وہ تمام اعمال داخل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت کیساتھ ادا فرمائے اور شاذ و نادر آپ نے انہیں چھوڑ بھی دیا ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ امر لازمی اور حتمی نہیں جیسے سورۃ فاتحہ کے بعد تلاوت قرآن۔ ایسے اعمال کو سنت موکدہ اور سنت ہدیٰ کہا جاتا ہے۔

ثواب پر مشتمل ایسے اعمال جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات کیے ہوں اور بعض اوقات میں ان کو ترک کر دیا ہو جیسے صدقہ دینا اور فرض اور سنتوں کے علاوہ دو رکعت پڑھنا۔ مستحب کی اس قسم کو سنت زائدہ یا نفل بھی کہتے ہیں۔

وہ امور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق عادت انجام دیا مثلاً آپ کے سونے اور خورد و نوش سے متعلق اعمال۔ ان پر عمل کرنا درجہ کمال کا حامل ہے۔ کیونکہ ان سنن پر عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

حرام حرام وہ فعل ہے جسے شریعت نے حتمی طور پر ممنوع قرار دے دیا ہو اور اس کے ارتکاب پر سزا کا احساس دلایا گیا ہو۔ قرآن کریم نے جن برے افعال کو حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت بیان کرنے کے لیے مختلف اسالیب اختیار کیے ہیں۔ چنانچہ بعض مقامات

---

[1] علی حسب اللہ اصول التشریع الاسلامی ۳۳۵ بعد

ابو زہرہ اصول الفقہ ص ۲۴۴ بعد

پر خود لفظ حرام کے استعمال کے ساتھ حرمت اور ممانعت کا بیان ہوا ہے مثلاً
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ۔ (المائدہ ۵: ۳)
تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا خون۔
کہیں تعبیر کا یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ فلاں کام حلال نہیں ہے جیسے۔
وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ (البقرہ ۲: ۲۲۸)
اور ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہو اسے چھپائیں، انہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے۔
بعض افعال سے نہی کے الفاظ کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۲)
اور تم زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت بڑا فعل اور بڑا ہی برا رستہ ہے۔
کسی موقعہ پر کسی کام سے اجتناب کا حکم دیا گیا۔
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (الحج ۲۲: ۳۰)
بس بتوں کی بندگی سے بچو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔
اور کسی مقام پر کسی فعل کی سخت وعید بیان کر کے اس سے روکا گیا ہے مثلاً
إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔ (النساء ۴: ۱۰)
جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔
حنفی فقہاء نے جس طرح وجوب کی دو قسمیں کی ہیں فرض اور واجب۔ اور فرض کے بارے میں کہا ہے کہ فرض وہ حکم شرعی ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اسی طرح ان کے یہاں حرمت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ حرمت جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اسے حرام کہا جاتا ہے اور جس فعل کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ تنزیہی کہلاتا ہے[۱]

۱؎ علی حسب اللہ اصول التشریع الاسلامی ص ۲۳۹ - ۲۴۰۔

اسلامی شریعت نے ان افعال اور اشیاء کو حرام قرار دیا ہے جن میں انسانیت کے لیے مضرت رساں ہونے کا نمایاں پہلو موجود ہے اور ان امور کو مباح قرار دیا ہے جن میں بنی نوع انسان کی افادیت کا پہلو راجح ہے۔ بعض امور و افعال ایسے ہوتے ہیں جن میں مضرت اور نقصان کا پہلو ان کی ذات میں موجود ہوتا ہے جبکہ بعض امور و افعال ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل میں تو مضرت اور نقصان کا پہلو نہیں ہوتا لیکن وہ مضرت اور نقصان پر منتج ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے حرام کی دو قسمیں ہیں حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ۔

حرام لذاتہ جس شئے یا فعل کی ذات میں مضرت اور نقصان موجود ہو اور شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہو اسے حرام لذاتہ کہا جاتا ہے مثلاً زنا اور سرقہ اور مے نوشی مضرت اور نقصان کا ذاتی پہلو ان امور میں ہوتا ہے جو ضروریات خمسہ کو متاثر کرتی ہوں یعنی ان سے جسم نسل مال عقل اور دین میں سے کسی کے تحفظ میں خلل پڑتا ہو۔ ان پانچ امور کی ضروریات وہ باتیں کہلائیں گی جن پر ان کی حفاظت موقوف ہو۔ ایسے ضروری امور میں سے کسی امر کو ذاتی طور پر مضرت پہنچانے والا کام حرام لذاتہ قرار پائے گا۔

حرام لغیرہ جس امر یا فعل کی ذات میں مضرت کا پہلو موجود نہ ہو بلکہ وہ مضرت پر منتج ہو اور اسے شریعت نے اس لیے حرام قرار دیا ہو کہ وہ کسی حرام کے ارتکاب کا سبب بن جاتا ہے مثلاً نفع کے ساتھ قرض لینا حرام ہے کیونکہ اس کا منافع ربا (سود) ہوگا جو حرام ہے اور ربا حرام لذاتہ ہے۔ اگر کسی فعل کی ممانعت کسی عارضی سبب کی بنا پر کی گئی ہو اسے بھی حرام لغیرہ کہا جاتا ہے جیسے مغصوبہ زمین میں نماز اور جمعہ کی اذان کے وقت بیع کی ممانعت[1]

حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ کا فرق دو طرح سے سامنے آتا ہے۔

ایک یہ کہ اگر کوئی شئے حرام لذاتہ ہو اور وہ محل عقد بن جائے تو عقد باطل ہو جاتا ہے چنانچہ اگر خمر پر عقد واقع ہو تو عقد باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر محل عقد میں حرمت کسی اور وجہ سے آئی مثلاً نماز کے وقت خرید و فروخت تو جمہور فقہاء کے نزدیک عقد صحیح ہوگا البتہ ایسا کرنیوالا گنہگار ہوگا۔

---

[1] ابوزہرہ اصول فقہ ص ۳۴

دوسرا پہلو جس میں حرام لغیرہ کا فرق واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ حرام لذاتہ صرف ضروریات کے وقت مباح ہوتا ہے کیونکہ حرام لذاتہ کا سبب تحریم ذاتی ہوتا ہے اور اس سے مصالح شریعت کا ضروری پہلو متاثر ہوتا ہے اس لیے اس کی تحریم اسی جیسے ضروری امر سے زائل ہو گی۔ چنانچہ اگر حرمت کا سبب عقل پر اعتداء ہو جیسا کہ شرب خمر میں ہے اس لیے خمر اسی وقت مباح ہو گی جب بھوک یا پیاس سے جان چلے جانے کا اندیشہ ہو کیونکہ ضروریات ہی سے محظورات مباح قرار پاتی ہیں جبکہ حرام لغیرہ حاجت کے موقع پر بھی مباح ہو جاتا ہے یعنی تنگی اور حرج کی صورت میں حرام لغیرہ مباح ہو جاتا ہے مثلاً طبیب کے علاج کے لیے عورت کا معائنہ کرنا۔

مکروہ

جمہور فقہاء کے نزدیک مکروہ کا مفہوم یہ ہے کہ شارع نے کسی کام سے منع تو کیا ہو مگر اس سے رکنے کا لازمی مطالبہ نہ کیا ہو بالفاظ دیگر اس طرح منع کیا ہو کہ اس سے مراد حرمت نہ ہو۔ حنفی فقہاء کے نزدیک مکروہ کی دو قسمیں ہیں مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی ان کے یہاں واجب کے بالمقابل ہے یعنی جس امر سے رکنے کا مطالبہ لازمی ہو اور اس کے ثبوت کی دلیل موجود ہو اور مکروہ تنزیہی مندوب (مستحب) کے بالمقابل ہے جس کے ترک کو شریعت نے کرنے سے بہتر قرار دیا ہو لیکن کرنے پر کوئی سزا نہ ہو[1]

مباح

مباح وہ امر یا فعل ہے جس کا کرنا یا نہ کرنا دونوں کی یکساں طور پر اجازت ہو اور نہ کرنے والا قابل مدح یا ذم ہو اور نہ چھوڑنے والا قابل مدح یا ذم ہو۔

کسی شے کی اباحت کا علم تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے ہوتا ہے یا تو نص میں اس پر گناہ نہ ہونے کو بیان کیا گیا ہو اور قرینہ موجود ہو مثلاً قرآن کریم کا یہ ارشاد:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ: ۲: ۱۷۳)

اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ، خون اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور

---

[1] المستصفی ۱/ ۶۷ - ابوزہرہ اصول الفقہ ص ۳۶

کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کے حالات میں ہو اوہ ان میں سے کوئی چیز کھائے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

اگر کوئی ممانعت موجود نہ ہو جیسے تمام جائز اور مباح امور یا حلال ہونے کی تصریح کر دی گئی ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم۔ (المائدہ ۵ : ۵)

آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔

اشیاء کی اباحت کا تعلق دراصل ان کی انواع کے انتخاب اور ان کے اوقات کے اختیار سے ہے مثلاً کھانے کے مباح ہونے کا تعلق ان اشیاء کے انتخاب سے ہے جو مباح ہیں اور ان اوقات سے ہے جن میں انہیں تناول کیا جائے کیونکہ زندگی کا تحفظ مطلوب ہے اور اس مقصد کے لیے کھانا ضروری ہے اسی طرح انسان کوئی مشغلہ یا لہو اختیار کرتا ہے مگر مناسب یہ ہے کہ وہ تمام وقت لہو میں صرف نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ اباحت کا مقام عمومی حالات اور کلیات نہیں بلکہ خاص حالات ہیں [1]

شاطبی فرماتے ہیں کہ مباح کا اطلاق دو امور پر ہوتا ہے۔

۱۔ اس امر پر جس میں فعل اور ترک فعل کا اختیار ہو۔

۲۔ اور اس امر پر جس میں کوئی حرج نہ ہو اور فی الجملہ مباح کی چار قسمیں ہیں

ایک وہ جو کسی امر مطلوب کا ذریعہ ہو۔

دوسرا وہ جو کسی ایسے امر کا ذریعہ ہو جس کا ترک مطلوب ہو۔

تیسرا وہ جو کسی ایسے امر کا ذریعہ ہو جس میں اختیار ہو۔

---

[1] ابوزہرۃ اصول الفقہ ص ۳۷۔

چوتھا وہ جس میں ان میں سے کوئی بات نہ ہو۔

پہلا جو کسی مطلوب کا ذریعہ اور اس کا خادم ہو۔ اس کے جدا جدا اجزاء مباح ہیں اور اس کا کل فعل مطلوب ہے اور جو ایسے امر کا ذریعہ ہو جس کا ترک مطلوب ہو تو اس کے بھی علیحدہ علیحدہ اجزاء مباح ہیں۔ لیکن اس کے کل کا مقصود ترک کر دینا اور چھوڑ دینا ہے یعنی اس میں مداومت اختیار کرنا منع ہے۔ مباح کی تیسری اور چوتھی قسمیں اسی دوسری قسم سے مربوط ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ مباح کی نوعیت کا اعتبار اس امر سے ہوگا جس کا وہ ذریعہ بنتا ہے جس میں کبھی مقصود یہ ہوگا کہ اسے دائمی طور پر اختیار نہ کیا جائے مثلاً مباح شعر و نغمہ میں بھی ترک دوام مطلوب ہے اور مستقل اختیار کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی کر لینا مباح ہے اور کبھی فعل اور اختیار کا پہلو مطلوب ہوتا ہے جیسے بغیر اسراف کے طیبات اور حلال اشیاء تناول کرنا کہ ان میں دوام و استقرار مطلوب ہے۔ مباح کی پہلی قسم میں فعل کل مطلوب ہے جبکہ باقی تینوں اقسام میں ترک کل مقصود ہے [1]

حکم وضعی

شارع نے جس امر کو شرعی تکلیفی احکام کے ساتھ مربوط کر دیا ہو تو وہ حکم وضعی کہلاتا ہے۔ چنانچہ ایسا کوئی سبب جس سے کسی شرعی حکم کا وجوب لازم آتا ہو، ایسی شرط جس پر کسی حکم کا محقق ہو اور ایسا کوئی مانع جس کی موجودگی سے اس حکم کا اثر زائل ہو جاتا ہو حکم وضعی قرار پاتا ہے۔

حکم کا سبب موجود ہونے، اس کی شرط متحقق ہونے اور مانع دور ہو جانے سے فعل کا شرعی اثر (EFFECT) مرتب ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز کا وقت ہونا نماز کے واجب ہونے کا سبب ہے۔ نماز کا وقت ہونا نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور جنون کا نہ ہونا مانع کا رفع ہو جانا ہے اور جنون نہ ہو، نماز کا وقت آ جائے اور وضو کر لیا جائے تو نماز واجب ہو جائے گی اور مکلف اس کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار پائے گا۔ نماز کا حکم تکلیفی حکم ہے۔ جبکہ جنون کا نہ ہونا وضو ہونا اور نماز کا وقت ہونا وضعی احکام ہیں۔ اسی طرح شرعی ورثاء کو میراث کے مقررہ حصے کا ملنا حکم تکلیفی ہے لیکن مورث کی موت کا واقع ہونا جو کہ میراث ملنے کا سبب ہے۔ وارث کا زندہ ہونا جو شرط ہے جو وارث نے مورث کو قتل نہ کیا

---

[1] الشاطبی الموافقات ۱/ ۱۴۰-۱۴۲

ہو جو مانع ہے، وضعی احکام ہیں۔

غرض وضعی احکام تین ہیں۔ سبب، شرط اور مانع۔

سبب سبب وہ مقررہ اور واضح علامت یا نشانی ہے جسے شارع نے کسی حکم کے وجود کی علامت مقرر کر دیا ہو[1] اس سے معلوم ہوا کہ وہی علامت کسی حکم کا سبب قرار پاتی ہے جسے خود شارع نے سبب قرار دیا ہو نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب تکلیفی احکام کے وجوب میں موثر نہیں ہیں بلکہ ان کے ظہور اور وجود کی علامت ہیں۔ اسی لیے شاطبی نے کہا ہے کہ سبب خود فاعل نہیں ہے سبب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسلیے یہ لازمی نہیں ہے کہ سبب موجود ہو تو مسبب بھی وجود ہو بلکہ دراصل سبب مسبب کے موجود ہونے کی علامت ہوتا ہے۔

سبب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ سبب ہے: جو مکلف شخص کے فعل سے وجود میں آئے۔ اور دوسرا وہ جس میں مکلف کے فعل کو دخل نہ ہو جیسے وقت کا نماز کا سبب ہونا اور مورث کی موت کا میراث کا سبب ہونا۔

جو اسباب مکلف شخص کے فعل سے وجود میں آتے ہیں وہ بھی از خود سبب نہیں بنتے بلکہ اس لیے سبب بنتے ہیں کہ شارع نے ان کو اسباب قرار دے کر ان پر احکام مرتب کر دیے ہیں مثلاً سفر کو روزہ افطار کر لینے کی رخصت کا سبب قرار دے دینا اور معاملہ بیع کو اس پر مرتب ہونے والے اثرات و نتائج کا سبب قرار دے دینا۔

مکلف کے فعل کے صورت میں ظاہر ہونے والے اسباب میں سے بعض کے بارے میں طلب یا ممانعت یا اجازت کی صورت میں شریعت کا حکم ہوتا ہے ایسے اسباب کے دو پہلو ہوتے ہیں حکم شریعت موجود ہونے کے اعتبار سے وہ تکلیفی احکام ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ

---

[1] الآمدی الاحکام فی اصول الاحکام ۱/۱۸۱۔
الآمدی منتہی السول ص ۲۲ ۔ الشوکانی ارشاد الفحول ۶
حاشیہ البنانی علی شرح جمع الجوامع ۱/ ۹۴

[2] الشاطبی الموافقات ۱/ ۱۹۶ ۔ ابو زہرہ اصول الفقہ ۴۴

شارع نے ان پر کچھ اور احکام بھی مرتب کئے ہیں وہ اسباب ہوتے ہیں اور وضعی احکام کے زمرے میں آتے ہیں مثلاً نکاح کا حکم ہونے کے اعتبار سے نکاح حکم تکلیفی ہے اور اس لحاظ سے کہ اس پر بعض نتائج مرتب ہوتے ہیں اور وہ کچھ امور کا سبب بنتا ہے مثلاً نکاح زوجین کے درمیان میراث کا سبب ہے۔ زن و شوہر کے درمیان معاشرت روا ہو جاتی ہے اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس اعتبار سے نکاح سبب ہے اور حکم وضعی ہے۔

اگر سبب ایسا ہو جس کا شریعت نے حکم دیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو تو اس پر مرتب ہونے والا سبب کوئی حق ہوتا ہے اور اگر سبب ایسا ہو جس سے شریعت نے منع کیا ہو تو اس پر مرتب ہونے والا سبب سزا اور عقوبت کی صورت میں ہوتا ہے[1]

شرط علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ شرط ایسا وصف ہے جو مشروط کو مکمل کرنے والا ہو اور مشروط اس کا متقاضی ہو جیسے ہم کہتے ہیں کہ سال کا گزرنا اور نشو و نما کا ہونا ملکیت کے مقتضا کو یا حکمت غنا کو مکمل کرتا ہے[2]

غرض شرط ایسا امر ہے جس کے وجود پر حکم کا وجود موقوف ہو اور اس کے عدم سے حکم کا عدم لازم آتا ہو مگر اس کے وجود سے وجود حکم لازم نہ آتا ہو۔ اس تعریف سے سبب اور شرط کا فرق بھی معلوم ہو گیا کہ شرط کا وجود حکم کے وجود کو مستلزم نہیں ہے چنانچہ وضو نماز کے لیے شرط ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جب وضو کیا جائے تو نماز بھی پڑھی جائے جبکہ نماز کا وقت ہونا نماز کا سبب ہے اور جب سبب موجود ہو تو مسبب بھی وجود میں آتا ہے یعنی نماز کا وقت آجانے پر نماز پڑھنا فرض ہو جاتا ہے[3]

شرط کی دو قسمیں ہیں وہ شرط جو سبب کی مکمل ہو اور وہ شرط جو مسبب کو مکمل کرنے والی ہو۔

---

[1] ابوزہرہ اصول الفقہ ۴۵

[2] الشاطبی الموافقات ۱/۲۶۲

[3] ابوزہرہ اصول الفقہ ۴۷

سبب کو مکمل کرنے والی شرط کی مثال سال کا گزرنا ہے یعنی زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب کا مالک ہونا شرط ہے اور سال کا گزرنا (حولان حول) ملکیت نصاب کی شرط مکمل ہے۔ سبب کو مکمل کرنے والی شرط کی مثال طہارت ہے کہ دخول وقت کے ساتھ نماز واجب ہوجاتی اور طہارت اس کی شرط مکمل ہوتی ہے۔

شارع کے مقرر کردہ شرط کو شرط حقیقی یا شرط شرعی کہا جاتا ہے اور جو شرط کسی معاملہ کے فریقین نے عائد کی ہو اور اس معاملہ کو اس شرط پر موقوف قرار دیا ہو اسے شرط جعلی کہتے ہیں اور عقد (CONTRACT) کا اس شرط کے ساتھ مربوط ہونا اور اس کے وجود کا اس پر موقوف ہونا تعلیق علی الشرط (کہلاتا ہے۔)

تعلیق علی الشرط کے اعتبار سے عقود و تصرفات کی تین قسمیں ہیں۔

عقود غیر لازمہ جو ہر نوع کی جعلی شرط کو قبول کر لیتے ہیں اور ان کو مستقبل کی کسی بات پر معلق کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا جیسے وصیت، ایصاء اور وکالت۔ اور اسقاطات جیسے طلاق اور التزامات جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں مریض صحت مند ہوگیا تو میرے اوپر حج لازم ہے۔

وہ عقود جو ایسی شرط کو قبول کرتے ہیں جو اس عقد کے موزوں اور اس کے مناسب (الشرط ایلائم لا لاعقد) یعنی ایسی شرط جس کے موجود ہونے سے عقد کے شرعاً وجود میں آنے یا عرفاً وجود میں آنے کے اسباب میں سے کوئی سبب متحقق ہوجائے جیسے کفالہ اور حوالہ یقینی رضامندی اور قطعی اختیار کو لازمی قرار دے دیا ہے اور ان کو مستقبل کی کسی بات پر معلق کرنے سے یہ معاہدہ بن جاتے ہیں اور یقینی رضامندی اور قطعی اختیار مکمل ہوجاتا ہے۔

مانع مانع ایسا ظاہری اور منضبط وصف ہے جس کے موجود ہونے سے حکم کا نہ ہونا یا سبب حکم کا نہ ہونا لازم آئے[1] یعنی مانع ایسا امر شرعی ہے جس کی موجودگی حکم یا سبب کے مقصود کے منافی ہو[2] موانع کی دو قسمیں ہیں مانع موثر فی السبب اور مانع موثر فی الحکم۔

---

[1] ارشاد الفحول ص ۷

[2] ابو زہرہ اصول الفقہ ۹۴

مانع موثر فی السبب کی مثال یہ ہے کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب کسی شخص کا صاحب نصاب ہونا ہے۔ اس سبب کا ایک مانع یہ ہے کہ صاحب نصاب شخص اتنے مال کا مقروض ہو کہ اگر تمام قرض ادا کر دے تو صاحب نصاب باقی نہ ہے یعنی جہاں ایک جانب اس کے پاس اتنی مقدار میں مال موجود ہے جو اس کے از روئے شریعت صاحب مال سمجھے جانے کے لیے کافی ہے وہاں اس کا مقروض ہونا زکوٰۃ کے فرض ہونے میں نصاب کے مالک ہونے کی شرط میں پنہاں حکمت یعنی غنی ہونے کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح اختلاف دین اور قتل میراث کے مانع ہیں یعنی اگر مورث اور وارث کے ادیان جدا ہوں تو وارث کو مورث سے ترکہ نہیں ملے گا اسی طرح اگر وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم ہو جائے گا۔ در اصل مورث سے میراث پانے کا سبب قرابت ہے کیونکہ وارث کے مورث کی میراث پانے سے مورث کا معنوی تسلسل برقرار رہتا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ وارث بھی مورث کا خیر خواہ ہو اور اس کے لیے جذبہ حمایت و نصرت رکھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اختلاف ادیان کی صورت میں خیر خواہی اور حمایت کا یہ تعلق باقی نہیں رہتا اور قتل سے یہ تعلق بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔

مانع موثر فی الحکم کی مثال شبہ کا حد کے قائم کرنے سے مانع ہونا ہے اسی طرح اگر باپ بیٹے کو قتل کر دے تو باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا یعنی مقتول کا باپ ہونا قصاص میں مانع بن گیا۔ کیونکہ قصاص کی حکمت بنی نوع انسان کو جرم قتل سے باز رکھنا ہے، باپ میں اولاد سے محبت اور شفقت کا جو جذبہ موجزن ہوتا ہے وہ خود ہی اس حد تک قتل اولاد کے جرم کے ارتکاب سے روکنے والا ہے کہ ماسوا بہت ہی شاذ (RARE) حالات کے کوئی باپ اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا اس کا مطلب ہوا کہ باپ کو قتل اولاد کے جرم سے روکنے کا فطری جذبہ موجود ہے جس کی بنا پر باپ کا اپنی اولاد قتل کرنے کا جرم انتہائی شاذ حالات میں ہو سکتا ہے، اس لیے قصاص کے بطور رادع مقرر کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہے[1]

---

[1] ابو زہرہ اصول الفقہ ص ۴۹